© rasailojaraid.com

اسلامی صنائع لطیفہ اور یورپی صنائع پران کا اثر

از

(اے - ایچ - کرسٹی)

مترجمہ

(جناب سید مبارز الدین صاحب رفعت، لکچرر، کالج آف آرٹس اینڈ سائنس، گلبرگہ)

[ذیل کا مقالہ مشہور انگریزی کتاب "لگیسی آف اسلام" کے مقالہ "اسلامک مائنر آرٹس" کا ترجمہ ہے]

جب اسلام کی ڈرامائی توسیع شروع ہوئی تو مغرب میں اس کا گزر ایسے راستے سے ہوا جہاں آرٹ قدیم اور غیر ترقی یافتہ حالت میں تھا۔ مغرب میں اس کی اشاعت کے ساتھ ہی بحر الکاہل کے ساحل پر بسے ہوئے شہروں میں آرٹ کی ایک نئی شکل کی تخم ریزی مقدر ہو گئی۔ عرب میں جس طرح کا آرٹ موجود تھا وہ یا تو قدیم زمانے کی بے جان باقیات تھی یا یہ آرٹ ایک طرح کی نقالی تھی۔ یہ نقالی ایک طرح بیرونی ملکوں کا پرتو تھا جو بعض مقامات پران کے عروج سے پڑا تھا۔ عرب کے ان شاداب علاقوں میں بھی کسی نمایاں خصوصیت کا حامل کوئی مقامی آرٹ پیدا نہ ہوا جہاں مقیم آبادی پھلتی پھولتی تھی۔ یہاں کے حالات ان حالات سے بالکل مختلف تھے جو صحرا کے بدویوں کو انجماد کی حالت میں سب سے الگ تھلگ رکھتے تھے۔ اسلامی آرٹ کو اس کا روحانی مزاج عرب سے ملا لیکن اس کا مادی ڈھانچہ کہیں اور تیار ہوا۔ یہ ڈھانچہ ایسے ملکوں میں تیار ہوا جہاں آرٹ کو زبردست اہمیت حاصل تھی۔

نصرانیت نے شام اور مصر کے اس وحشی (Pagan) آرٹ میں زبردست تبدیلیاں پیدا کیں جو اس کے ظہور کے وقت ان ملکوں میں مروج تھا۔ مختلف عوامل نے جو یا تو اس سرزمین سے تعلق رکھتے تھے یا بیرونی تسلط کے درآمد کردہ اور ترقی دادہ تھے، حیات تازہ پائی اور ان عوامل نے آپس میں گھل مل کر ایک واضح اور مسحور کن حسین آرٹ کو جنم دیا۔ دجلہ اور فرات کے آگے اور ہی طرح کا چلن تھا۔ ایرانیوں کو اپنے اشکانی حکمرانوں کے خلاف بغاوت کر کے ان کی جگہ اپنی قومی ساسانی سلطنت قایم کئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کچھ صدیاں بیت چکی تھیں اور ان کی شاندار قومی نہضت کا آغاز ہو چکا تھا۔ ان کا آرٹ ایک قدیم چیز تھی۔ ایرانی ذہانت و ثقافت پر سکندر کے حملے کے دنوں سے یونانی آرٹ کی اور بعد میں وسط ایشیا کی درآمدات کی چھاپ لگ چکی تھی۔ اب یہ آرٹ بڑی آب و تاب اور بڑی توانائی کے ساتھ پروان چڑھ رہا تھا۔ ان ہی دو ثقافتوں کے درمیان جو ایک دوسرے کی متبائن اور یکساں طور پر مسلمانوں کو ناپسند تھیں، بتدریج اسلامی آرٹ وجود میں آیا۔

قرونِ وسطیٰ میں آرٹ کی اولین غرض و غایت دینی افکار کی شرح و تعبیر تھی۔ ہم جبلی طور پر قرونِ وسطیٰ کے آرٹ کی بڑی بڑی طرزوں کو ان عقائد سے شناخت کرتے ہیں جو ان کی تکوین کا باعث ہوئے۔ اب چاہے ان کی تشکیل اور فنی عمل میں بعض عوامل انہیں آپس میں ایک ہی توارث کے رشتہ میں باندھ دیں، ان کی صورت گری قدیم لایام میں مذہبی اثرات کے تحت ہی ہوئی تھی۔ نصرانی آرٹ بنیادی طور پر دین کو باعظمت بنانے کا وسیلہ تھا۔ اس کا مشن ہمیشہ صاف اور واضح رہا اور اس نے تصویر اور صورت کے تمام موزوں ذرائع سے کام لیا۔ اور ان پڑھ جاہلوں سے لے کر عالموں کے لئے یکساں طور پر قابلِ فہم رہا۔ لیکن اس کی نفیس بت گری عربوں کو محض بت پرستی دکھائی دی۔ چونکہ ان کے پاس آرٹ کی کوئی روایات نہ تھیں اس لئے انھوں نے آرٹ کو مشتبہ نظروں سے دیکھا اور غیر ترقی یافتہ قدیم اقوام کی طرح اسے سحر سے وابستہ کیا۔ اس کے سوا زہد و تقویٰ کے پہلے پہلے جوش میں انھیں عیش کوشی خاص طور پر ناپسند رہی۔ بت پرستوں کے دین کی خاص چیز ہونے کی وجہ سے یہ ایک شیطانی چیز تھی۔ اس سے مسلمان کو دور کا بھی واسطہ نہ ہونا چاہیے تھا۔ ایرانی آرٹ کا شکوہ اور ایرانی صناعوں کی یہی خصوصیت جو بہت جلد اسلامی آرٹ پر گہرا اثر ڈالنے والی تھی پہلے پہل اپنی مخصوص مشرکانہ علامتوں کی وجہ سے عربوں کو ناپسند رہی۔

اسلامی آرٹ کی ابتدا مسجد سے ہوئی۔ یہیں وہ دن کی پوری روشنی میں پیدا ہوا اور عوام کے زیر سرپرستی کھلی فضا میں پھلا پھولا۔ اولین مسجدیں سیدھی سادی عمارتیں تھیں جن میں عمارتی حسن کا شائبہ بھی نہ ہوتا تھا۔ یہ مسجدیں صرف عبادت اور وعظ ہی کے لئے بنائی گئی تھیں پہلے تو ان میں سرے سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوئی فرنیچر ہی نہ ہوتا تھا اور جب فرنیچر آیا بھی تو وہ حد درجہ سادہ ہوتا تھا۔ اور اس میں ہر طرح کی بدعت پر مذہبی تنقید ہوتی تھی۔ کہتے ہیں کہ مصر میں پہلی بار منبر نصب کیا گیا۔ لیکن جب اس کی اطلاع خلیفہ عمرؓ کو ملی تو انھوں نے اس کے توڑ دینے کا حکم دیا کیوں کہ اس سے خطیب کو اپنے بھائیوں پر بے وجہ تفوق و برتری حاصل ہو جاتی تھی۔ کعبہ کی سمت بتانے کے لئے جب پہلی محراب بنائی گئی تو اس پر سخت اعتراض کیا گیا کیوں کہ یہ نصرانی طاق سے بہت زیادہ مشابہت ظاہر کرتی تھی اور جو بے شبہ اسی کی نقل تھی۔ لیکن جلد ہی سادگی کو مٹانے والی ایسی نسل پیدا ہو گئی جس نے مسجد کے نقوش اور کافروں کے کلیسائی امارت کا تقابل کرنا شروع کیا۔ بتدریج منبر اور محراب ایسی عمارتوں کی سب سے بڑی زینت بن گئے جو اپنے نقشے کی دل کشی اور آرائش و زیبائش میں تنوع کے لحاظ سے فن عمارت سازی کی فتوحات میں شمار کی جاتی ہیں۔

جیسے جیسے اسلام اور آگے پھیلتا گیا غیر قوموں سے اتصال نے آرٹ کے بارے میں مسلمانوں کے ذہنی تصور میں وسعت پیدا کی۔ اور دین نے جو دائمی حد بندیاں قائم کر رکھی تھیں اس کے اندر رہتے ہوئے آرٹ کی نو بنو مثالی طرزیں ایجاد کیں۔ نئے ثقافتی عنصر نے جو بالکلیہ غیر مذہبی قسم کا تھا، دینی تفوق کے مقابلے میں اپنا سکہ جمانا شروع کیا۔ جب غیروں کی رسموں نے حاکموں کو، جو اب دین کے اٹل ستون نہ رہے تھے، متاثر کرنا شروع کیا تو محلوں میں زہد و تقویٰ کی جھلک ہلکی سے ہلکی ہونے لگی۔ اس طرح ایسا آرٹ جو بہت زیادہ مذہبی قسم کا نہ تھا، پھلنے پھولنے لگا جب شائستہ اور مہذب حکمرانوں نے خوبصورت کتابوں، مخمل کا کپڑوں اور ایسی ہی دوسری چیزوں کا اعلیٰ ذوق پیدا کر لیا۔ اس طرح کا ذوق جو شاید شاہوں کو تو زیب دیتا تھا لیکن رسول اللہ (صلعم) کے جانشینوں کے شایان شان نہ تھا۔

امراء کے طبقے میں جب حاکموں کے نفیس ذوق کی اتباع کرنے والے پیدا ہو گئے اور ایسے لوگوں کی کثرت ہوتی گئی جو اپنے سے بہتر لوگوں کی تقلید کرتے ہیں تو ایک نمایاں درباری آرٹ عالم وجود میں آ گیا۔ اس آرٹ نے صناعوں کو تو فائدہ پہنچایا لیکن دینداروں کا دل کافی دکھایا۔

اولیں خلفاء کے عہد میں طبقۂ امراء کی سی عوام سے دوری ناممکن تھی۔ ان خلفاء نے سماجی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مساوات کو ناقابلِ شکست اصول کی حیثیت سے نافذ رکھا۔ وہ اس اصول پر قائم رہے کہ ہر شخص ضرورت پر حاکم تک پہنچ سکتا ہے اور حاکم کی طرزِ زندگی اس کا گھر اور اس کے اعمال سب ایسے ہونے چاہئیں کہ ان پر کوئی حرف گیری نہ کر سکے۔ لیکن جیسے جیسے عیش کوش حاکم طبقے نے اپنے آپ کو عوامی زندگی سے الگ کرنا شروع کیا تو قصرِ شاہی بھی روک ٹوک کا ایک الگ تھلگ مقام بن گیا جہاں کی زندگی کا چلن کچھ اور ہی تھا۔ بنی امیہ ہی کے عہد میں ایک غیر مذہبی درباری آرٹ عالمِ وجود میں آچکا تھا۔ اس بات کی تصدیق ان نفیس دیواری تصویروں سے ہوتی ہے جو بحیرۂ مردار کے مشرق میں واقع صحرا میں ایک شکستہ شکار گاہ کی عمارت کے اندر ابھی تک باقی چلی آرہی ہیں[1]۔ ان دیواری تصویروں میں نہایت نفاست کے ساتھ ملی جلی یونانی اور مشرقی طرز میں شکلیں بنائی گئی ہیں۔ خیال ہے یہ عمارت خلیفہ ولید اول نے ۷۱۲ء اور ۷۱۵ء کے درمیان تعمیر کرائی تھی۔ درباری آرٹ ایک مستند روایت کا درجہ حاصل کر چکا تھا جب عباسیوں نے دمشق کی بجائے بغداد کو اپنا دارالحکومت قرار دیا جو ۷۶۶ء تک عملاً پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا تھا۔ دارالحکومت کی یہ تبدیلی اسلامی آرٹ میں ایک عہد آفریں دور کی نشاندہی کرتی ہے کیوں کہ اس کے بعد سے اس کے ارتقا میں ایرانی اثر سب پر حاوی ہو جاتا ہے۔

یہاں ہمارا مقصد اسلامی آرٹ کے ارتقا کا قدم بہ قدم جائزہ لینا ہے بلکہ اس کی بعض مستقل ترقیوں کا مختصر سا خاکہ پیش کرنا ہے اور بعض خاص اہم پیداواروں پر اپنی توجہ مرکوز رکھنا ہے تاکہ یہ دکھایا جاسکے کہ یہ پیداواریں نصرانی یورپ کی ہم عصر اور بعد کی ترقی پر کس درجہ اثر انداز ہوئی ہیں۔ علاوہ ازیں ہمیں یہاں صرف صنائع لطیفہ ہی سے بحث ہے۔ یعنی صرف ایسے صناعوں کے کام سے بحث ہے جو ایک عمارت کے بن جانے کے بعد جس غرض کے لئے وہ عمارت بنائی گئی ہے اس کو پیشِ نظر رکھ کر اس کو ہر قسم کی ضروریات اور آسائشوں سے مزین کرنے کے لئے طلب کئے جاتے تھے۔

---

[1] اس تزئین کاری کے رنگین نقشے آلی موزیل (Alois Musil) نے اپنی کتاب "قصر عمرا" (Kusejr Amra) مطبوعہ ویانا، ۱۹۰۷ء میں دئے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلمان بہت جلد عظیم تعمیر کار بن گئے۔ ان کے ذہن کی جولانی نے بہت جلد تعمیر کاری کے اٹل اصولوں اور فنی باریکیوں کا درک کر لیا۔ انسانی شکلوں کی صورت گری کی مذہبی مخالفت کی وجہ سے مجسمہ سازی میں تو کسی طرح کی ترقی نہ ہو سکی، لیکن پتھر، لکڑی اور دوسرے مادوں میں نقش کاروں نے اپنی غیر معمولی مہارت کا مظاہرہ کیا۔ اگرچہ دیواری تصویر کاری قدیم زمانے ہی سے موجود دکھائی دیتی ہے، تاہم مصوری ہمارے زمانے کی نام نہاد "چھوٹے پیمانے کی تصویر کاری" چھوٹی چھوٹی تصویروں، قلمی کتابوں میں مرقع کاری وغیرہ تک محدود ہو گئی۔ یہ چیزیں اگرچہ ماہرانہ فنی مہارت کا اور رنگ کے گہرے احساس کا اظہار کرتی ہیں پھر بھی ان میں بعض ایسی صفات کی کمی نظر آتی ہے جو قرون وسطیٰ کے یورپ کے بعض شاہکاروں میں، جو ایسے ہی حالات میں عالم وجود میں آئے تھے، دکھائی دیتی ہیں۔ مسلمانوں میں غیر معمولی مہارت رکھنے والے عظیم تعمیر کاروں کی کمی نظر نہیں آتی لیکن ان میں مصوری اور بت گری کے میدان کے ایسے ہی عظیم شہسواروں کی تلاش لاحاصل دکھائی دیتی ہے۔

اگرچہ مسلمان فنِ تعمیر کے تنہا استثناء کے سوا صنائع لطیفہ میں مغربی کارناموں کے مقابلے میں ناکام رہے، تاہم جن فنون میں ان کی ذہانت کو پوری پوری آزادی ملی، اور جو کارنامے ان فنون میں انھوں نے دکھائے قرونِ وسطیٰ میں ان کی نظیر کہیں ڈھونڈے سے نہ ملتی تھی۔ اسلام بہت سی قدیم صنعتی روایتوں کا راست وارث تھا جو مغرب کے لئے نامعلوم تھیں جس طرح مسلمان عالموں نے قدیم علم کے ایک بڑے حصہ کو آنے والی نسلوں تک منتقل کیا ہے کچھ اسی طرح مسلمان صناعوں نے مشرق میں مروج فنون کے "کارگاہی عمل" کو محفوظ رکھا، اس کو ترقی دی اور دوسرے ملکوں میں اسے پھیلایا۔ یہ روایت یا تو سرے سے یورپ تک پہنچ نہ سکی تھی یا اگر قدیم زمانوں میں یورپ اس سے واقف بھی تھا تو وہ قرونِ وسطیٰ کے عہدِ طوفان وانتشار میں مردہ ہو چکی تھی۔

اس قدیم مہارت کو نئے سرے سے ترقی دینے میں اسلامی آرٹ نے ایک ایسی خصوصیت پیدا کر لی جو اتنی نمایاں ہے کہ اس کو آسانی کے ساتھ قدرتی چیز سمجھ کر نظر انداز کر دیا جا سکتا ہے۔ ہر چیز چاہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ عام یا رسمی استعمال کے لئے بنائی گئی ہو، اسے آرائش وزیبائش سے اتنا جاندار بنایا جاتا، اتنی مہارت سے اس کی نقشہ کشی ہوتی اور اس خوبی سے اس کا اظہار ہوتا کہ نقش ونگار اصلی وقدرتی معلوم ہوتے۔ یہ نقش ونگار مصنوعی تزئین کاری کی جگہ ان نقوش سے مشابہ نظر آتے ہیں جن سے قدرت نے ذی حیات مخلوقات کو مزین کیا ہے۔ نقشوں کے لئے جو شکلیں اختیار کی گئی ہیں وہ اگرچہ واضح طور پر بدیسی ہیں لیکن یورپی روایت سے اتنی زیادہ دور ہیں کہ اس سے مطابقت باقی نہ رہے۔ ان کی غرابت دل کش اور رومان انگیز ہے۔ ان کے عوامل ترکیبی بڑی چابک دستی کے ساتھ آپس میں ملائے گئے ہیں۔ یہ سب آپس میں مل کر وہ اثر پیدا کرتے ہیں کہ ہمیں ان کے مادی ڈھانچوں کے پیچھے کسی جاندار قوت کے کارفرما ہونے کا یقین سا ہونے لگتا ہے۔ یہ تزئین کاری سیدھی سادی شکلوں کو سنوارنے اور خالی جگہوں کو پُر کرنے کی تدبیر نہ تھی بلکہ یہ نفیس کاری گری کا لازمی حصہ تھا جس کے بغیر مصنوعہ شے نامکمل رہتی ہے۔ مشرق کی فکر پرور آنکھ کے لئے نقش ونگار کا متوازن رقص اتنی ہی فرحت بخش ضرورت ہے جتنی کہ کہ نغمہ مغربی کان کے لئے ضروری ہے۔ مشرقی صناعوں کے لئے تزئینی نقوش اتنے پُر کشش بن گئے تھے کہ وہ ان نقوش کے مسائل کے گہرے مطالعہ اور اس کے عمل میں ایسے خطوط پر باقاعدگی پیدا کرنے کے لئے جن کو عصر حاضر کے صناع بھی ملحوظ رکھتے ہیں، اپنے آپ کو مستقل طور پر وقف رکھتے تھے۔ اسلامی آرٹ کا سرسری سا جائزہ بھی یہ بتا دے گا کہ تزئینی نقش ونگار ہی وہ نمایاں فروعی صنعت ہے جسے مسلم ذہانت نے پروان چڑھایا ہے۔

اگرچہ مذہبی قوانین نے مسلمان فن کاروں کو اپنی صنعت میں انسانی شکلوں یا ذی حیات مخلوق کو پیش کرنے سے قطعی طور پر منع کر دیا تھا، اس کے باوجود یہ واقعہ ہے کہ اسلامی تزئین کاری میں یہ چیزیں عام طور پر پائی جاتی ہیں۔ بعض اوقات یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ مسلمانوں کے ایک خاص فرقے ہی نے اس بات کی اجازت نہیں دی ہے۔ یہ خیال صحیح نہیں۔ کسی بھی حالت میں مسجد میں ان چیزوں کو روا نہیں رکھا جاتا۔ جن چیزوں کو ان شکلوں سے مزین کیا جاتا ہے ان کا وجود ہی فوراً اس بات پر مہر تصدیق ثبت کر دیتا ہے کہ یہ چیزیں غیر مذہبی کاموں کے لئے بنائی گئی ہیں۔ عالمی منشا و مرضی کے لئے بہت سخت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تنظم وضبط کے رشتوں کو توڑنے کی بدعنوانیوں کو وسیع القلب حضرات تو نظرانداز کر دیتے ہیں لیکن سخت گیر لوگوں کے لئے یہ باتیں ہمیشہ الجھن کا باعث ہوتی ہیں جو کسی بھی لمحے خشم ناک احتجاج کے لئے اٹھ کھڑے ہو سکتے ہیں ہمارے عجائب گھروں اور نوادرات کے مجموعوں میں بہت سی ایسی چیزیں موجود ہیں جو اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ شوریدہ سرانہ فروگذاشتوں کی اصلاح عاجلانہ ضرب یا کھرچ کر کس طرح کی گئی ہے۔ یہ اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ راست روی کے جوش نے کسی نہ کسی وقت دست سرزنش کو بلند ہونے پر مجبور کیا ہے۔

اسلامی تزئین کاری کی ایک دوسری نمایاں خصوصیت عربی کتبات کا استعمال ہے۔ قرآن کی آیتیں کسی شاعر کا برمحل شعر، کوئی کلمہ تہنیت، یا دعائیہ کلمہ اکثر کسی حاشیے، یا گگری کے اطراف لکھا جاتا ہے یا خوبصورت ستونوں کی کارنس پر طغرے میں بنایا جاتا ہے۔ اکثر قیمتی چیزیں ان کے کسی امیر مالک کے نام اور ان کے خطابات سے مزین ملتی ہیں جو ان کی ساخت کے سنہ اور اس کے مقام ساخت کی طرف پر لطف اشارہ کرتی ہیں۔ کبھی کبھار کہیں کسی ماہر صناع نے اپنے دستخط بھی ثبت کئے ہیں اور اس شہر کا نام جہاں وہ چیز بنی ہے اور اس کی تکمیل کی تاریخ لکھ دی ہے تو اس چیز کے بارے میں ہمیں ٹھیک ٹھیک معلومات بھی حاصل ہو گئی ہیں۔

اسلامی آرٹ کو عربوں کا واحد عطیہ، عربی رسم خط، جہاں کہیں بھی پھیلا ہے، عام طور پر اسلامی برتری یا اس کے اثر کی نشانی مانا گیا ہے۔ قرآن جس رسم خط میں لکھا گیا ہے وہ پورے مسلم ممالک میں مقدس مانا جاتا رہا۔ ان ملکوں کے خطاط اس کے دل کش حروف کو خوبصورت سے خوبصورت بنانے میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ ماہر خطاطوں کی نسلوں کی نسلیں اتنی کامیابی اور حسن قبول کے ساتھ اپنا کام کرتی رہی ہیں کہ نہ صرف دل کش قلم میں لکھی ہوئی کتاب ہی ایک بے بہا خزانہ مانی گئی بلکہ کسی ماہر خطاط کا لکھا ہوا معمولی پرزہ بھی نوادرات جمع کرنے والے کے لئے بہت بڑی چیز ہو گئی۔

یورپی صناع عربی رسم خط کے حروف سے بتدریج آشنا ہوئے ہیں۔ اکثر صورتوں میں وہ انھیں ترچھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ سکتے تھے اور اس ناواقفیت کا قدیم ترین ثبوت مرسیا (Mercia) کے بادشاہ اوفا (Offa) (۷۵۷ء—۷۹۶ء) کے ایک طلائی سکہ سے ملتا ہے جو اب برٹش میوزیم میں محفوظ ہے۔ یہ سکہ مسلمانوں کے دینار سے بہت مشابہ ہے لیکن عربی عبارت کے درمیان "ملک اوفار" (Offa Rex) کے الفاظ داخل کئے ہیں۔ اور انھیں اتنے مکمل طریقے پر لکھا گیا ہے کہ اصل سکے کی تاریخ (۱۵۷ھ) اور اسلامی کلمہ دونوں اس کی نقل میں صاف دکھائی دیتے ہیں اس کے بعد اس قسم کا کوئی اور سکہ نہیں ملتا۔

لیکن یہ سکہ خود ہی اس حقیقت کی یادداشت ہے کہ اسلامی دارالضربوں سے مضروب ہو کر نکلنے والے سکے کتنی دور دور تک استعمال ہوتے تھے۔ اسی عجائب گھر میں مسلم صناعی سے مغرب کے اتصال کی ایک اور مثال دیکھی جا سکتی ہے۔ یہ آئرستان کی بنی ہوئی کانسی کی قلعی دار صلیب ہے۔ اس کا زمانہ تقریباً نویں صدی کا ہے۔ اس صلیب کے وسط میں شیشے کی ایک تختی نصب ہے۔ اس پر خط کوفی میں عربی کلمہ "بسم اللہ" لکھا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سکے اور صلیب دونوں کے بنانے والوں کو اس اجنبی تحریر کے معنی کا بالکل علم نہ تھا جس کو وہ نقل یا اختیار کر رہے تھے۔ کیوں کہ اتنے واضح اسلامی کتبات کو جانتے بوجھتے کسی نصرانی بادشاہ کے سکے یا مقدس نصرانی نشان پر ہرگز ثبت نہ کیا جا سکتا تھا۔

اس کے بعد سے عربی حروف کی پٹیاں جو اکثر اتنی خام کاری کے ساتھ بنائی جاتی تھیں کہ ان کا پڑھنا ممکن نہ ہوتا، اور اسلامی ذرائع سے حاصل کی ہوئی تزئینی تفصیلات یورپ کے نصرانی ملکوں کی مختلف صنعتوں میں کثرت سے داخل ہونے لگیں۔ مقدس مقامات کا شوق زیارت، بالکلیۃ اسلام سے ورثے میں پائے ہوئے علم کی پیاس، اور دوسری دلچسپیاں بہت سے سیاحوں کو اسلامی ملکوں میں کھینچ لاتی تھیں۔ یہاں سے وہ اسلامی صنعت کاری کے بے مثال نمونے لے کر لوٹتے تھے اور مسلمانوں کی شان و شوکت کی جو داستانیں وہ سناتے تھے یہ چیزیں ان کی تصدیق کرتی تھیں۔

جہاں گشت فدائیانِ علم مسلم درس گاہوں میں وہ علوم حاصل کرتے تھے جو ان کے ملکوں میں نامعلوم و ناپید تھے۔ اپنے ساتھ جو چیزیں لے کر وہ لوٹے ان میں سب سے اہم چیز اسطرلاب تھی۔ اسطرلاب ایک ہیئتی آلہ ہے۔ اس کی ایجاد کا سہرا قدیم یونانیوں کے سر ہے۔ اسکندریہ کے ماہر جغرافیہ بطلیموس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے اس میں کچھ اضافے کئے اور مسلمانوں نے اس کو مکمل کیا۔ یہ آلہ دسویں صدی کے لگ بھگ یورپ پہنچا ہے۔ مشرق میں اس کا بڑا مقصدِ استعمال نماز کے اوقات اور سمتِ کعبہ کا تعین تھا۔ اس کے سوا اس آلے سے اور بھی کام لئے جاتے تھے۔ ان میں سے ایک استعمال وہ ہے جو الف لیلہ کی درزی کی کہانی میں بیان ہوا ہے۔ اس کہانی میں چرب زبان حجام اپنے الجھے ہوئے گاہک کو اسطرلاب کے ذریعہ حجامت کا وقتِ مسعود تلاش کر کے پریشان کرتا ہے۔ علم نجوم کے ساتھ وابستگی نے اسطرلاب اور اس کے استعمال میں ماہر لوگوں کو پورے قرونِ وسطیٰ میں غیر معمولی شہرت بخش دی تھی۔ اس عہد میں عام عقیدہ یہی تھا کہ نجوم اور ہیئت دونوں ہم معنی لفظ ہیں۔ دسویں صدی عیسوی کے زبردست عالم جربرٹ آورنی (Gerbert of Auvergne) جو سلوسٹر ثانی (Sylvester II) کے نام سے ۹۹۹ء میں پوپ بنا، علم ہیئت کا زبردست ماہر تھا۔ اسی علم کی وجہ سے اس کے بارے میں یہ مشہور ہو گیا تھا کہ قیام قرطبہ کے زمانے میں وہ شیطان سے ربط ضبط رکھتا تھا۔ ملمسبری کے ولیم (William of Malmesbury) نے یہ کہتے ہوئے کہ "جربرٹ، اسطرلاب کے استعمال میں بطلیموس سے بھی بڑھ گیا تھا اور اس نے ریاضیاتی علوم کو ارضِ گال میں زندہ کیا جہاں وہ ایک عرصہ دراز سے فراموش شدہ تھے"، جربرٹ کی ساحرانہ صلاحیت کی طرف برے الفاظ میں اشارہ کیا ہے۔ دسویں صدی عیسوی کے آخر کے سائنس کی ایک دلچسپ یادگار فلارنس میں محفوظ ہے۔ یہ ایک اسطرلاب ہے جو روما کے عرض البلد پر بنایا گیا ہے۔ بعض ماہروں کا خیال ہے کہ یہ اسطرلاب پاپائے روم سلوسٹر ثانی کی ملک رہ چکا ہے۔

قدیم ترین تاریخ کا حامل اسطرلاب آکسفورڈ میں ہے۔ یہ اسطرلاب ۹۸۴ء کا بنا ہوا ہے اور احمد اور محمود نامی دو استادوں کا مشترک کارنامہ ہے جو ابراہیم اسطرلابی اصفہانی کے بیٹے تھے۔ برٹش میوزیم میں جو اسطرلاب ہیں ان میں ایک اسطرلاب انگلستان کا بنا ہوا ہے جس پر ۱۲۶۰ء کندہ ہے مرٹن کالج لبریری میں ایک آلہ ہے جو مشہور انگریز شاعر چاسر سے وابستہ ہے۔ چاسر نے اپنے نو عمر بیٹے کے لئے اسطرلاب پر ایک رسالہ لکھا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملاحوں کے لئے اسطرلاب ایک بیش قرار آلہ تھا۔ بحری مشاہدات کے لئے اس کا استعمال مغرب میں سترہویں صدی تک جاری رہا جب کہ دوسری نئی ایجادوں نے اس کی جگہ لے لی ایک نفیس اسطرلاب آرٹ کا ایک دل کش نمونہ ہوتا ہے۔ حیرت انگیز احتیاط کے ساتھ اس کو بنایا جاتا اور بڑی مہارت کے ساتھ اس پر کندہ کاری ہوتی ہے۔ اس کو جس شکل کا بنایا جاتا تھا اس میں صدیوں تک کوئی اہم تغیر نہ ہوا۔ ایک اسطرلاب جو بمقام طلیطلہ ۱۰۶۶ء میں ابراہیم بن سعید کی نگرانی میں بنا تھا اب میڈرڈ کے آثار قدیمہ کے عجائب گھر میں رکھا ہے۔ اسی شکل کا لیکن نازک گل کاری سے مزین ایک اور اسطرلاب ۱۷۱۵ء میں مشہور ایرانی استاد عبدالحمید نے بنایا تھا اور اب لندن کے وکٹوریہ اور البرٹ عجائب گھر میں محفوظ ہے ان دونوں اسطرلابوں کا آپس میں مقابلہ بڑی دلچسپ چیز ہے۔

ابتدائی اسلامی دھاتی کام کے بہت سے نمونوں میں جو ہم تک پہنچ سکے ہیں، ایک صندوقچہ ہے جو جیرونا (Gerona) کے کلیسا میں رکھا ہوا ہے۔ یہ صندوقچہ لکڑی کا بنا ہوا ہے اور اس پر چاندی کا چمک دار پتر منڈھا ہوا ہے۔ اور اس پر بیل بوٹوں کے نقش و نگار بنے ہوئے ہیں۔ اس صندوقچے پر ایک کتبہ بھی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ اس صندوقچے کو بدر اور طریف نامی دو صناعوں نے بنایا ہے اور خلیفہ الحکم ثانی (۹۶۱ء — ۹۷۶ء) کے ایک درباری کے لئے بنایا گیا تھا کہ وہ اسے ولی عہد ہشام کے نذر کر سکے جو اپنے باپ کے انتقال کے بعد قرطبہ میں خلیفہ ہوا۔ یہ صندوقچہ چاندی کے کام کے ان چند نمونوں میں سے ایک ہے جو ہمارے زمانے تک باقی چلے آئے ہیں۔ اگرچہ مذہبی حیثیت سے اس دنیا میں سونے چاندی کا برتنا منع تھا، اور دوسری دنیا میں جنت کی نعمت سے سرفراز ہونے والوں ہی کے لئے یہ حق محفوظ تھا، اس پر بھی سونے چاندی کی رکابیاں خلفاء کے محلوں میں کسی طرح ممنوع نہ تھیں۔

مصری تاریخیں قدرے تفصیل کے ساتھ اس خزانے کا حال بیان کرتی ہیں جو قاہرہ میں فاطمی خلفاء نے جمع کر رکھا تھا۔ ان خلفاء کی ترک فوج نے ۱۰۶۷ء میں جو بغاوت کی تھی اس میں اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خزانے کا بڑا حصہ غایب ہوگیا۔ محلوں میں جو نوادرات ان کی تعمیر سے لے کر اس وقت تک جمع ہوتے چلے آئے تھے، ان کی ایک فہرست مورخ المقریزی نے قدیم خزانوں سے مرتب کی ہے جو اس کے عہد تک بھی باقی چلے آرہے تھے۔ یہ فہرست ہمیں ان نفیس اشیاء کے تصور میں مدد دیتی ہے جو دربارِ شاہی کے طلا رکار بنا رہے تھے۔ یہ ایک طویل دستاویز ہے جس میں کاروبا نا صحت کے ساتھ مختلف اشیاء کی تفصیل بیان کی گئی ہے جیسے سونے چاندی کی دواتیں، شطرنج کے مہرے، ہتھیاروں کے دستے، نرگس اور بنفشہ رکھنے کے گل دستے، سونے کی چڑیاں اور بیر جن میں قیمتی جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ یہ سب چیزیں اتنی زیادہ تعداد میں تھیں کہ اگر ہم ہزاروں کے ان اعداد صحیح میں سے جو پُرجوش اعداد نگاروں نے کثرت سے جمع کئے ہیں، سینکڑوں کے اعداد کو نظر انداز بھی کر دیں تو بھی ماباقی اعداد کچھ کم متحیر کن نہیں ہیں۔ علاوہ ازیں فاطمیوں کی چار دانگ عالم میں مشہور دولت کی ایک ہم عصر نے بھی پوری پوری گواہی دی ہے۔ مشہور ایرانی سیاح ناصر خسرو نے قصر کے ایک عہدہ دار کی عنایت سے ۱۰۴۷ء میں ایوانِ شاہی کی سیر کی تھی۔ اسے بارہویں کمرے میں داخل ہونے کے لئے یکے بعد دیگرے گیارہ کمروں میں سے گزرنا پڑا۔ ان میں سے ہر کمرہ شان و شکوہ میں پچھلے کمرے سے بڑھ چڑھ کر تھا۔ بارہویں کمرے میں تختِ خلافت رکھا تھا۔ یہ عظیم الشان تخت سونے کا تھا۔ اس کو شکار کے مناظر سے آراستہ کیا گیا تھا۔ اور ان کے بیچ بیچ میں نفیس کتبات دیئے گئے تھے۔ تخت کو چاندی کے تین زینے دے کر اٹھایا گیا تھا۔ اس کے سامنے سونے کی ایک حیرت انگیز جال دار جعفری بنی ہوئی تھی جس کا حُسن بیان سے باہر تھا۔[1]

اسلامی دور کے سونے اور چاندی کے کام کے ابتدائی نمونے اب ناپید ہیں۔ اس دور کا جو کچھ کام اب باقی ہے وہ کانسے، پیتل اور تانبے کے برتن اور فرنیچر ہے جو خوش حال مسلمان استعمال کرتے تھے۔ ان ہی چیزوں سے اسلامی دھاتی کام کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ پیسا (Pisa) کے کلیسا کامپو سانتو (Campo Santo) میں "براق"[2] کا ایک بڑا مجسمہ رکھا ہے۔ یہ مجسمہ اس قسم کے

---

[1] ملاحظہ ہو سفر نامہ، سفر نامہ کا فرانسیسی ترجمہ، مترجمہ و مرتبہ چارلس شفر۔ پیرس ۱۸۸۱ء

[2] Griffin ایک خیالی پرندہ ہے جس کا سر اور بازو عقاب کے سے اور باقی سارا جسم شیر کا سا بنایا جاتا ہے اردو میں اس کے مترادف کوئی لفظ نہ ملا میں نے اس کا ترجمہ "براق" کیا ہے۔ مترجم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مجسموں کا ایک مثالی نمونہ ہے جو عام طور پر چھوٹے پرندوں اور درندوں کی شکل میں پیش کئے جاتے ہیں اور اکثر فواروں کا جز یا پانی پینے کے برتن ہوتے ہیں۔ بعد کے یورپی نام نہاد "اکوانل" برتنوں (Aquamaniles پانی کا برتن) نے اپنی عجیب و غریب شکل ان ہی سے حاصل کی ہے۔ پلیسا کے اس حملہ آور "براق" کا جسم کندہ کی ہوئی گل کاریوں سے پٹا ہوا ہے۔ اس کا انداز ایک لاڈلے یا نوجوان کا سا ہے اس کی گردن اور بازوؤں پر فلس نما پروں کے نقش بنے ہوتے ہیں۔ پیٹھ پر چیست پہنائے ہوئے کپڑے کا نمونہ بنا ہے جس پر گول پتوں کے نقش ونگار بنے ہیں۔ اس کے حاشیے پر خط کوفی میں ایک کتبہ ہے اور حاشیہ کی پیٹی سینے کے اطراف چلی گئی ہے۔ رانوں پر نکلتے طغرے بنے ہیں۔ ان کے اندر مرغولے دار حاشیوں میں شیروں اور بازوں کی شکلیں بنی ہوئی ہیں۔ کتبے کے اندر ایک شعر درج ہے جس میں اس کے مالک کی مدح کی گئی ہے۔ اس شعر سے نہ تو کانسی کے اس شاندار مجسمہ کی اصل کا کچھ پتہ چلتا ہے اور نہ اس کے بننے کی تاریخ ہی معلوم ہوتی ہے۔ تمام ممکنہ قیاسات کی رو سے یہ باقیات گیارہویں صدی میں کسی فاطمی محل سے لائی گئی ہے۔

مینیت کاری یا ابھرواں کام میں نقش ونگار بنانے کے سوا دھاتوں کی تزئین کے اور طریقے بھی مسلمان صناع استعمال کرتے تھے۔ وہ سونے اور چاندی میں جڑاؤ کام کے بھی بڑے ماہر تھے۔ یہ کام کئی طرح سے ہوتا ہے اور یورپ میں عام طور پر (Damascening) کہلاتا ہے۔ یورپ نے یہ کام دمشق سے وابستہ کر رکھا تھا اور اسی کی نسبت سے یہ اصطلاح گھڑلی گئی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ کام دمشق میں ضرور ہوتا تھا، لیکن یہاں ایجاد نہیں ہوا تھا۔ نفیس ترین اور قدیم ترین نمونوں میں نقوش دھات کی زمین میں کندہ کئے گئے ہیں اور نالی کو سونے اور چاندی سے پاٹ دیا گیا ہے اور اکثر دونوں دھاتیں ایک ہی چیز کے بنانے میں استعمال کی گئی ہیں۔ خالی جگہوں کو ایک سیاہ مصطگی آمیزے سے بھر کر نقش ونگار کی تابناکی کو اور بڑھایا گیا ہے اور بعض صورتوں میں تزئین کاری کا یہی ایک واحد طریقہ استعمال کیا گیا ہے۔

دھات میں مرصع کاری کا اسلامی کام بارہویں صدی عیسوی کے وسط میں اپنے بام عروج

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر پہنچا اور بڑی آب و تاب کے ساتھ دو سو سال تک باقی رہا۔ اس طرح کے کام کا ایک مثالی نمونہ جو موجودہ نمونوں میں سب سے بہترین ہے، پیتل کی ایک صراحی ہے جو برٹش میوزیم میں رکھی ہوئی ہے یہ صراحی سر سے پیر تک چاندی میں بنے ہوئے نقش و نگار سے پٹی ہوئی ہے۔ اس کے دس پہلو اور گردن افقی طور پر حلقوں میں بانٹے گئے ہیں اور ان حلقوں کے اندر مختلف قسم کی شکلیں اور نمونے بنائے گئے ہیں۔ اس کی سطح کے ہر حصہ کو جاندار صورتوں، ہندسی شکلوں، گل بوٹوں اور کتبوں سے آراستہ کیا گیا ہے۔ پیندے کے پاس پردوں کے لئے استعمال ہونے والے منقش کپڑے جیسی گتھی ہوئی گل کاری ملتی ہے جس کے آخر میں آدیزے نما جھالر دی گئی ہے اور اسی پر پورا نقشہ آکر ختم ہوتا ہے۔ مرصع کار چاندی کی وہ چھوٹی تختیاں جن کے اندر جانداروں کی شکلیں بنائی گئی ہیں بہت دل کش بنائی گئی ہیں اور ان کے اندر ایسی تفصیلات جیسے چہروں کے خدوخال، ہاتھ، منقش کپڑوں کی سلوٹیں وغیرہ بڑی دیدہ ریزی کے ساتھ دکھائی گئی ہیں۔ اس صراحی کی گردن کے اطراف جو کتبہ ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ اسے موصل میں شجاع ابن منفر[1] نے ۱۲۳۲ء میں بنایا تھا۔

یہ صراحی ایک ایسے دبستاں کی نمائندگی کرتی ہے جس کے بارے میں خیال ہے کہ یہ موصل میں کہیں باہر سے آکر پھلنے پھولنے لگا تھا۔ یہ شہر قدیم دریسیر حاصل تانبے کی کانوں سے قریبی اتصال رکھتا تھا اس میں ایسے صناع بھرے پڑے تھے جو ہر قسم کی خوبصورت چیزیں بنانے کے لئے شہرت رکھتے تھے۔ اور خاص طور پر دسترخوان پر استعمال ہونے والے تانبے کے برتن بنانے والوں کا تو کوئی جواب نہ تھا۔ م، ریناڈ (M. Reinaud) نے تیرہویں صدی کے ایک مصنف کی جو عبارت نقل کی ہے اس سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہوتی ہے۔ لیکن یہی تکنیک اور اسی قسم کی تزئین کاری اس سے بھی پہلے زمانے میں ان علاقوں میں ملی ہے جو موصل کے شمال اور مشرق میں واقع ہیں۔ اس سے

---

[1] م، ریناڈ جس نے ۱۸۲۸ء میں پہلی بار یہ کتبہ پڑھا یہی نام دیا ہے۔ لیکن م، میاں کس خاں برحیم نے اس پر جو نظر ثانی کی اس میں بنانے والے کی ابنیت "منفر" کی جگہ "منخ" دی ہے۔ ملاحظہ ہو:

Noles d. Archeologie in Journal Asiatique, XI e, Sesie Paris, 1904

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس دلبستان کا تعلق آرمینیا اور ایران سے رہا ہے جس کی ابھی تک پوری وضاحت نہیں ہو سکی ہے۔ بعد کے زمانے کی بنی ہوئی چیزوں کا فنی عمل اور ان کی تزئین کاری کے بعض عناصر دوسری صدی عیسوی کی یونانی روایات سے اپنا رشتہ ثابت کرتے ہیں۔ اس لئے یہ فرض کرنا غلط ہوگا کہ مسلمانوں نے ایک ایسے آرٹ کو ترقی دی اور اسے سنوارا جو قدیم الایام سے ان علاقوں میں رائج چلا آرہا تھا۔

اس دلبستاں کا اثر بڑی تیزی سے شام کے ذریعہ مصر تک پھیل گیا کیونکہ منگولوں کے مسلسل حملوں کی وجہ سے آبادی کے انتقال کا سلسلہ بندھ گیا تھا۔ عراق کے شہر ویراں ہوگئے تھے اور ان کے صناع منتشر ہوگئے تھے۔ چنگیز خاں کے پوتے ہلاکو نے جب بغداد کو فتح کرلیا اور خلیفہ مستعصم کو مار ڈالا تو ۱۲۵۸ء میں عباسی خلافت کا خاتمہ ہوگیا۔

برٹش میوزیم میں پیتل کا بنا ہوا ایک قلم دان محفوظ ہے۔ اس پر سونے اور چاندی کی مرصع کاری کی گئی ہے۔ اس کے مالک محمد بن سنقر البغدادی کا نام بھی اس پر کندہ ہے۔ لیکن یہ قلمدان محمد بن سنقر کے اجداد کے شہر میں نہ بنا ہوگا کیونکہ اس پر ۱۲۸۱ء کی تاریخ کندہ ہے۔ اس زمانے میں تو بغداد کے رہنے والے بالکلیہ دیہاتی لوگ تھے جو اس کے کھنڈروں میں بس گئے تھے۔ یہ قلم دان اپنی شکل وصورت اور کاری گری کے لحاظ سے نہایت درجہ حسین چیز ہے اور اس لحاظ سے مذکورہ صراحی سے کسی طرح کم نہیں۔ اس کے ڈھکن پر سب سے نمایاں تزئین کاری بارہ بروج فلکیہ کے نقش ہیں۔ چار چار برج ایک ایک دائرے کے اندر اکٹھے دکھائے گئے ہیں۔ اس طرح تین دائرے بنائے گئے ہیں۔ ڈھکن کے اندر کی طرف دائروں کی ایک قطار ہے۔ ان دائروں میں ہیئتی شکلیں بنائی گئی ہیں۔ وسطی دائرے میں شعاع دار انسانی چہرے والا سورج ہے۔ اس کے دونوں بازوؤں پر چھ بیٹھی ہوئی شکلیں بنائی گئی ہیں ان میں چاند ہے۔ عطارد قلم اور کاغذ لئے بیٹھا ہے۔ زہرہ کو عود بجاتے دکھایا گیا ہے۔ مریخ کے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں کٹا ہوا سر ہے۔ مشتری مسندِ عدالت پر متمکن ہے اور زحل ایک ہاتھ میں عصا اور ایک میں کیسہ لئے بیٹھا ہے۔ یہ تمام شکلیں عقب میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حد درجہ گل کاری زمین دے کر بنائی گئی ہیں اور آخر میں نہایت نازک نقشے کا حاشیہ دیا گیا ہے۔ یہ قلم دان اس طرح کی بہت سی نفیس چیزوں کا ایک نہایت ہی نفیس نمونہ ہے۔ اپنی اصلی حالت میں ان قلم دانوں کو دواتوں، ریت اور گوند کی ڈبیوں اور واسطے قلم رکھنے کے لئے مستطیل خانوں سے اس طرح آراستہ کیا جاتا تھا جیسا کہ ذیل کے نقشے میں دکھایا گیا ہے۔

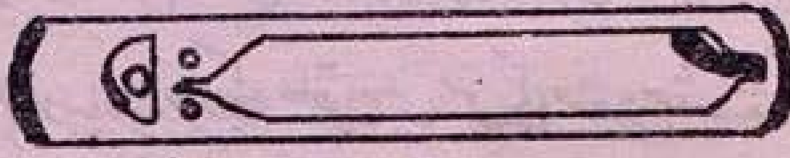

جیسے جیسے مرصع کاری کا آرٹ جنوب کی طرف پھیلتا گیا اس کی آرائش میں تبدیلی ہوتی گئی۔ اور چودھویں صدی میں اپنی ایک خاص طرز لیا ہوا ایک دوسرا دبستان وجود میں آیا جس کا مرکز قاہرہ تھا۔ زنجیلی پٹیوں کے درمیان وقفہ وقفہ سے جو حلقے بنائے جاتے تھے ان میں نازک گل کاری کے حاشیے دیے جانے لگے اور کتبے جن کی حیثیت پہلے کم و بیش ذیلی تھی، سب سے زیادہ اہمیت اختیار کر گئے۔ برٹش میوزیم میں چودھویں صدی عیسوی کے مصر کا بنا ہوا پیتل کا ایک طشت رکھا ہے جس پر چاندی کی مرصع کاری کی گئی ہے۔ یہ حاشیہ دار حلقے کی ایک نمایاں مثال ہے۔ یہ بڑا طشت سلطان مصر محمد ابن قلاؤن کے لئے بنایا گیا تھا جس نے دو وقفوں کے ساتھ ۱۲۹۳ء سے لے کر ۱۳۴۱ء تک مصر پر حکومت کی ہے۔

یہ دو مثالیں ان بہت سی دل کش اشیاء کا تھوڑا بہت اندازہ لگانے کے لئے کافی ہیں جو ہم تک پہنچی ہیں اور بیشتر حیرت انگیز حد تک ثابت و سالم حالت میں اب تک باقی چلی آئی ہیں۔ ان میں صراحیاں ہیں، طشت ہیں اور دوسرے طرح طرح کے خوبصورت برتن ہیں، اور جیسا کہ ان پر کندہ ناموں اور خطابوں سے معلوم ہوتا ہے یہ چیزیں کبھی سلاطین و امراء کے ضیافتی دستر خوانوں کی زینت بڑھایا کرتی تھیں۔

جواہر دانوں، قلم دانوں، شمع دانوں، عود دانوں اور گل دانوں اور گھریلو استعمال کی ایسی ہی بہت سی چیزوں کی تفصیل یہاں ممکن نہیں جو کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ تیرھویں اور چودھویں میں مرصع کاری کا یہ کام بہت پسند کیا جاتا تھا امراء مشہور استادوں کے نفیس نمونوں کے بڑے شوق سے طالب رہتے تھے اور ان میں سے اکثر کے پاس خاص ان کے لئے بنائی ہوئی چیزیں ہوتی تھیں۔ برٹش میوزیم اور وکٹوریا اینڈ البرٹ میوزیم میں ایسی بہت سی چیزیں ہیں جن کے ساتھ دلچسپ تاریخی روایات وابستہ ہیں اور ان میں کی بیشتر چیزیں ایسی ہیں جن کے حسن و خوبی کی نظیر ڈھونڈے سے کہیں اور نہ مل سکے گی۔

© rasailojaraid.com